حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

اور ان کے بیش قیمت اِفادات

مولانا عبید انور شاہ قیصر (انڈیا)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک نادرۂ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی ذاتِ گرامی ان صاحبِ کمال افراد میں سے تھی جن پر زمانہ رشک کرتا اور تاریخ فخر محسوس کرتی ہے۔ وہ ان اوصاف وکمالات کے جامع تھے جن کا اجتماع کسی ایک ذات میں شاذ ونادر ہوا کرتا ہے۔ صدیوں میں ان جیسی ہشت پہلو شخصیت پیدا ہوتی اور قرطاسِ عالم پر ایسے نقوش مرتسم کرجاتی ہے جو ہمیشہ تابندہ رہتے ہیں اور راہِ عمل کا ہر مسافر اُن کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھتا اور منزل کا نشان پاتا ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ساز شخصیت گراں مایہ اوصاف کا مجموعہ تھی۔ دستِ ازل نے ان پر خصوصی فیض رسانی کی تھی۔ وہ ذہانت وذکاوت، فکری استقامت، قوتِ ارادہ، جذبۂ عمل، ہمت وجواں مردی، وسعتِ نظر، اخلاص وللّٰہیت، انکساری وسادگی جیسے گلہائے رنگا رنگ کا حسین گلدستہ تھے۔ تعصب سے پاک، ہر بابصیرت شخص ان کے کمالات کا معترف اور علمی وفکری امتیازات کا قصیدہ خواں رہا ہے۔ ان کے افکار ونظریات نے ایک جہاں کو متأثر کیا اور حرکت وعمل کی قوت فراہم کی ہے۔ ان کے خوانِ بصیرت سے خوشہ چینی کرنے والوں نے انفرادی واجتماعی حیات میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور نہایت دوررَس، دیرپا اور مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد بصیرت سے علمِ کلام کے میدان میں جو زرّیں خدمات انجام دی ہیں وہ انتہائی اہمیت وعظمت کی حامل ہیں۔ علمِ کلام دراصل دو چیزوں: اثبات ونفی کا نام ہے، یعنی: فلسفیانہ اور عقلی گمراہیوں کی تردید ونفی اور عقائدِ اسلام کا اثبات۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے ٹھوس انداز اور استدلال کی جدت وندرت کے ساتھ عقائدِ اسلامیہ کو دلائلِ عقلیہ سے مبرہن کیا اور عقلی وفکری شکوک وشبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔ صانع وخالق کی ضرورت، خدا کی وحدانیت، شرک کا بطلان، رسالت ونبوت، تخلیقِ انسان، فلسفۂ جرم وسزا، قیامت کی حقیقت وضرورت، وغیرہ جیسے سینکڑوں بنیادی مسائل پر نہایت مدلل اور مکمل گفتگو فرمائی ہے۔ امثال وشواہد، خارجی دلائل اور روزمرہ کے مشاہدات

www.banuri.edu.pk

پر مبنی مستدلات کے ذریعہ ان نازک مسئلوں کی تفہیم میں آسانی پیدا کر دی ہے۔ انوکھے طرزِ استدلال اور گفتگو کے البیلے انداز کی بنا پر ان کا کلام ہر صاحبِ عقل و ہوش کو اپیل کرتا ہے اور وہ غیر شعوری طور پر اسلامی نظریات کے حسن و خوبی اور سچائی کا قائل ہو جاتا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ''البیلے انداز'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقائق قرآن و حدیث کو ایسے استدلالی اور منطقی طرزِ بیان سے زمانے کے سامنے پیش کیا جیسے وہ اس زمانے کے حسبِ حال ایک مضبوط اور مستحکم ازم پیش کر رہا ہے، جس کا ظاہری عنوان ابتداءً نہ اعلانِ مذہب ہے نہ اطلاعِ غیب، مگر انتہاءً وہی مذہب اور عقیدۂ غیب ہے، مگر اس ڈھنگ سے جیسے وہ خالص ایک فلسفیانہ ازم کی تلقین ہے کہ اس کے مانے بغیر نہ اس دور کی معاشرت صحیح اسلوب سے چل سکتی ہے، نہ سیاست و مدنیت اور نہ ہی مابعد الموت کی زندگی استوار اور کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس نے ایک نئے حیاتی فلسفہ و حکمت کی بنیاد ڈالی، ہم اسی شخصیت کو حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔''(۱)

درحقیقت حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کلامی مسائل میں جس طرز پر بحث فرمائی ہے اور جس جدت و عمدگی کے ساتھ اپنی بات پیش کی ہے وہ آپ کا امتیازِ خصوصی ہے۔ آپ کے پیش کردہ دلائل و براہین کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے اور جدید ذہن پر اثر انداز ہونے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ زبان کے قدیم رنگ سے قطع نظر جس میں تبدیلی کا درآنا ناگزیر ہے، یہ دلائل و شواہد آج بھی تابناک، حیات بخش اور حیات آفریں ہیں۔ ضرورت محض اس بات کی ہے کہ آپ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ان آبدار موتیوں کو جدید اسلوب میں ڈھال کر از سرِ نو طبع کیا جائے۔ بلاشبہ اس زمانے میں اسلام کی خدمت کا یہ انتہائی وسیع اور وقیع گوشہ ہے، جس سے پہلوتہی کو کسی طور پر روا نہیں رکھا جا سکتا۔

زیرِ نظر مضمون میں آپ کے چند عالی افادات کو مذکورہ جہت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں کسی خاص موضوع کا لحاظ ہے، نہ اصل الفاظ کی پیروی اور التزام، بلکہ حضرت نانوتویؒ کی غرض و مقصود کی تفہیم و تسہیل اور آسان زبان میں اس کی تعبیر و ترسیل کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مفہوم و معانی حضرت نانوتویؒ کے ہیں، الفاظ کا پیرہن، ترتیب کا آہنگ اور بین القوسین کی وضاحت راقم کے قلم سے۔

تخلیقِ انسانی کا مقصد

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ انسان کی تخلیق کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''انسان کے علاوہ اس کائنات کی تمام موجودات زمین، ہوا، پانی، چاند، سورج سب انسان کے لیے کارآمد ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی غیر موجود ہو تو انسانی حیات مشکلات کا شکار ہو جائے، اگر درخت، جانور وغیرہ نہ ہوں تو ہمارا بڑا حرج لازم آئے،

لیکن اگر خود انسان کو دیکھیں تو اس کے نہ ہونے سے مذکورہ اشیاء میں کسی چیز پر کوئی فرق نہیں پڑتا، نہ کسی کا نقصان لازم آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان ان میں سے کسی چیز کے لیے پیدا نہیں ہوا، تو یقیناً وہ (ماسوائے عالم) خالق کے کام کے لیے پیدا ہوا ہوگا، ورنہ لازم آئے گا کہ خالقِ حکیم نے بے ضرورت اور عبث ہی انسانوں کو پیدا کردیا ہے (اور یہ بات محال ہے، اور انسان کے خالق کے لیے کارآمد ہونے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ انسان کی صفتِ عبودیت کے ذریعہ خالق کی صفتِ مالکیت کا ظہور ہو، لہٰذا انسان کی تخلیق کا مقصدِ اصلی خالق کا عرفان وعبادت ہے)۔''(۲)

مذکورہ اقتباس اور اس میں پیش کردہ (مشاہداتی) دلائل اور طرزِ بیان میں غور کرنے سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمِ کلام سے متعلق حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے سابق میں ذکر کردہ کلام کی حقیقت ومعنویت بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تخلیقِ انسان کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاداتِ ربانی: ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعًا الخ۔''(۳) اور ''أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاکُمْ عَبَثًا وَّأَنَّکُمْ إِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔''(۴) کے مفہوم وشرح کو مثالوں سے واضح کر کے جس معروضی انداز میں پیش کیا اور اس سے ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ''(۵) کے مدعا کا اثبات فرمایا ہے، وہ بے مثال ہے۔

رسالت کی ضرورت

رسالت کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے ابتداءً خدا تعالیٰ کی حاکمیت مختلف دلائل سے ثابت کرتے ہیں (جن میں سے ایک دلیل ''تخلیقِ انسان کا مقصد'' کے عنوان سے ماقبل میں مذکور ہے) پھر فرماتے ہیں:

''۱:..... جب خدا تعالیٰ کو حاکم، قابلِ اطاعت اور محبوب مان لیا گیا تو اس کی رضامندی کا حصول ہم سب کے ذمہ فرض ہوا۔ مگر وہ کس امر سے راضی ہے اور کن امور سے ناراض یہ بات بغیر اس کے نہیں معلوم ہوسکتی کہ خداوندِ قدوس اپنی رضا اور ناراضگی خود بیان فرمادے۔ اور خود اس ربِ دوجہاں کا اطلاع دینا اس لیے ضروری ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ انسان ایک دوسرے کی رضا اور عدمِ رضا بغیر بتلائے نہیں جان سکتا، ہمارا جسم نگاہوں کے سامنے موجود ہے، لیکن اگر ہم کسی کا سینہ چیر کر اس کے دل کو ٹٹولیں تو بھی دل کی بات معلوم نہیں ہوسکتی، پھر خدا تعالیٰ - جو نگاہوں سے اوجھل اور لطیف ہے - اس کی رضا اور عدمِ رضا اس کے بتائے بغیر کیسے معلوم ہوسکتی ہے!؟

۲:..... یہ بات بھی معلوم ومشاہد ہے کہ حاکم کبھی گھر گھر جا کر اپنا حکم بیان نہیں کیا کرتا،

www.banuri.edu.pk

سلاطینِ عالم- جن کی بادشاہت چند روزہ، ناقص اور محدود ہے- اس کے رَوادار نہیں کہ ہر ہر شخص کو پکڑ کر اپنا حکم سنائیں، پھر خدا تعالیٰ- جس کی بادشاہت لم یزل ولایزال، کامل واکمل اور غیر محدود ہے- کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی بات ہر کہہ ومہہ سے کہتا پھرے، بلکہ یقیناً وہ اپنے خاص، مقرب بندوں ہی کو یہ شرف بخشے گا کہ وہ اس کے پیغام کو اس سے حاصل کریں اور پھر دوسروں تک پہنچائیں۔

پہلے اقتباس کا خلاصہ: خدا تعالیٰ کی مرضی اس کے بغیر بتلائے معلوم نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اقتباس کا خلاصہ: خدا تعالیٰ ہر فرد کو اپنا حکم نہیں سناتا، بلکہ اس کا پیغام اس کے کچھ خاص بندے ہی تمام عالم تک پہنچاتے ہیں۔ ان دونوں امور سے ایسے انسان کا وجود اور ضرورت ثابت ہوجاتی ہے جو مذکورہ کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو (شرعی اصطلاح میں) اسی کو نبی اور رسول، اور اس کے منصبِ خاص کو رسالت کہتے ہیں۔ (۶)

یہاں بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ بیان ندرت کا حامل اور بے حد دل آویز ہے۔ ادنیٰ تأمل سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس پوری تقریر کا مأخذ قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

’’مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔‘‘ (۷)

ہندوؤں کے مشہور مذہبی پیشوا پنڈت دیانند سرسوتی نے ۱۲۹۵ھ کے قریب رُڑکی میں برسرِعام اسلام پر اعتراضات کا بازار گرم کررکھا تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے پنڈت جی کے ساتھ مباحثہ ومناظرہ کے انعقاد کی کوشش کی، مگر پنڈت جی کسی طور پر تیار نہ ہوئے، ادھر سے جس قدر مطالبہ بڑھتا گیا، اسی قدر پنڈت جی کی جانب سے ٹال مٹول اور حیلوں، بہانوں میں اضافہ ہوتا رہا، قصہ کوتاہ پنڈت جی اچانک منظر نامہ سے غائب وفرار ہوگئے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازخود تین دن تک پنڈت جی کی جانب سے اسلام پر عائد کردہ اعتراضات پر خطاب فرمایا اور ان کے بیخ وبن اُکھاڑ کر رکھ دیئے، اور اسلام کی حقانیت کو آفتاب نصف النہار کی طرح واضح فرمادیا:

ان اعتراضات میں سے ایک مشہور اعتراض یہ تھا کہ:

’’مسلمان کہتے ہیں کہ خدا قادرِ مطلق ہے، لیکن خدا اپنے آپ کو مار نہیں سکتا اور نہ چوری کرسکتا ہے، اس لیے وہ قادرِ مطلق نہیں۔‘‘

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا جو لطیف ومتین جواب دیا ہے وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’جب کبھی کوئی فعل وجود میں آتا ہے تو وہ وہاں ایک فاعل (مؤثر) ہوتا ہے اور ایک مفعول (منفعل)، پھر کبھی فاعل اور مفعول میں اپنی اپنی صفت کمال درجہ کی پائی جاتی ہے

یعنی فاعل کامل طور پر مؤثر ہوتا ہے (کامل تاثیر کی صلاحیت رکھتا ہے) اور مفعول کامل طور پر منفعل ہوتا ہے (فاعل کے اثر کو قبول کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے) مثلاً آفتاب زمین کو منور کرنے میں (قمر و کواکب کے بالمقابل) سب سے کامل و مکمل ہے اور آئینہ اس اثر کو قبول کرنے (منور ہونے) میں (شجر و حجر وغیرہ کے بالمقابل) کامل اور مکمل ہے، کبھی کسی جانب میں یہ صفات نقصان کے ساتھ پائی جاتی ہیں، مثلاً آفتاب کے مقابل اگر پتھر ہو تو یہاں فاعل کے فعل میں کوئی کمی نہیں، مفعول کی ذات میں نقص ہے اور اسی طرح اگر آئینہ کے مقابل قمر یا شمع وغیرہ ہو تو یہاں مفعول میں کوئی کمی نہیں، بلکہ فاعل میں تأثیر کی کمی ہے۔ پہلی صورت میں منفعل کی کمزوری و نقص سے فاعل کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا، اسی طرح دوسری صورت میں فاعل کی کمزوری سے مفعول میں نقص لازم نہیں آتا اور کبھی ایک جہت میں صلاحیت بالکل معدوم ہوتی ہے، مثلاً: آفتاب کے مقابل صوت (آواز) یا ہوا ہو تو منور ہونے کی صلاحیت بالکل معدوم ہے، ایسے ہی آئینہ کے مقابل کالا توا ہو تو منور کرنے کی صلاحیت بالکلیہ مفقود ہے، یہاں بھی پہلی صورت میں مفعول کی عدمِ صلاحیت سے فاعل میں اور دوسری صورت میں فاعل کی عدمِ صلاحیت سے مفعول میں کوئی کمی لازم نہیں آتی۔ اب اگر غور کریں تو قادر اور مقدور میں بھی یہ شکلیں متحقق ہیں:

قادر (فاعلِ قدرت)	مقدور (مفعولِ قدرت)
۱:.....خدا تعالیٰ	ممکنات (دونوں جانب کمالِ صلاحیت ہے)
۲:.....انسان، جن یا فرشتہ	ممکنات (یہاں فاعل کی جانب میں نقص ہے)
۳:.....جمادات	ممکنات (فاعل کی جانب عدمِ صلاحیت ہے)
۴:.....خدا تعالیٰ	ممتنعاتِ ذاتی (محال) (مفعول کی جانب عدمِ صلاحیت ہے)
۵:.....خدا تعالیٰ	ممتنعات لغیرہٖ (مفعول کی جانب نقصانِ صلاحیت ہے)

نظرِ انصاف سے دیکھیں تو موتِ خداوندی (جسے اعتراض میں قادرِ مطلق کا مفعول ومقدور فرض کیا گیا ہے) ممتنعاتِ ذاتی اور محال والی شکل نمبر:۴ میں داخل ہے اور تقریر سابق کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اس سے قادر کی قدرت میں شمّہ برابر فرق نہیں آتا۔ اسی سے اعتراض کے جزءِ ثانی ''خدا تعالیٰ چوری نہیں کرسکتا'' کا جواب بھی معلوم ہوگیا، اس لیے کہ چوری کے لیے مالِ مسروق یعنی غیر کا مال ہونا ضروری ہے اور یہ کل کائنات تو درحقیقت خدا ہی کی ملک ہے، بندوں کی طرف جو کچھ نسبت ہے محض مجازی اور وقتی ہے۔ تو مالِ غیر خدا کی نسبت سے مفقود ہے اور مفعول کی جانب میں عدمِ محض

ہے، اس سے خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ میں کوئی قصور لازم نہیں آتا۔ ''(۸)

ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ:

''مسلمان کہتے ہیں کہ شیطان بہکا کر انسان سے برے کام کراتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ شیطان کو کس نے بہکایا؟ حاصل یہ ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے، انسان خود برے کام کرتا ہے۔''

اس کے جواب میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً ایک مختصر الزامی جواب بیان فرمایا ہے جو انتہائی واضح ہے، اس کے بعد تحقیقی طور پر ایک دوسرا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں:

''اوصاف کا ظہور اشیاء میں دو طریقوں پر ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ شئ بالذات (اوّل درجہ میں) اس صفت سے متصف ہوگی (یعنی اس کی صفت کسی سے اخذ شدہ نہ ہو بلکہ بالطبع ہو) اس صورت میں اس شئ کو موصوف بالذات اور مصدرِ وصف کہا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس مصدرِ وصف اور موصوف بالذات سے دیگر اشیاء مستفید ہوتی اور اس صفت سے (درجۂ ثانی میں) متصف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر وجود ایک وصف ہے، خدا تعالیٰ کی ذات اس سے بالذات موصوف ہے، تو وہ موجود بالذات اور مصدرِ وجود ہے، باقی ہر شئ کا وجود اسی سے مستفید ہے۔ اسی طرح آگ میں حرارت بالطبع اور بالذات ہے تو یہ مصدرِ حرارت ہے اور گرم پانی وغیرہ کی حرارت اسی سے مستفید ہے۔

اب سمجھنا چاہیے کہ وصفِ ضلال بھی من جملہ اوصاف کے ایک وصف ہے، لہٰذا یہاں بھی ایک شئ موصوف بالذات ہوگی اور باقی اشیاء اس سے یہ وصف اخذ کرنے والی ہوں گی، اس مصدرِ ضلال اور موصوف بالذات کو شیطان کہتے ہیں اور جو کوئی اس وصفِ ضلال کو اس مصدر سے لیتا ہے وہ گمراہ کہلاتا ہے (اور جب شیطان وصفِ ضلال ٹھہرا تو اسے بہکانے کوئی کہاں سے آئے گا؟! لہٰذا اعتراضِ مذکور کا لغو ہونا واضح ہو گیا)۔ (۹)

یہ جواب اپنی جگہ مکمل اور ایک حقیقت نفس الامری ہے، مگر اس بات کا امکان ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو جائے کہ اگر شیطان کو مصدرِ ضلال قرار دیتے ہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کا یہ وصف خدا تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے، بلکہ اسکا ذاتی وصف ہے، خدا کا پیدا کردہ نہیں ہے اور جب وصفِ ذاتی مخلوقِ خدا نہیں تو ذات بھی مخلوق خدا میں سے نہ ہوگی، کیوں کہ ذات اور وصفِ ذاتی میں جدائی نہیں ہوتی (لزوم کلی ہوا کرتا ہے) اس سے خود شیطان کی خدائی لازم آتی ہے اور اگر شیطان کا یہ وصف خدا کی جانب سے ہے تو خدا کی برائی لازم آتی ہے۔ اس شبہ کو دفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صدور اور خلق میں بڑا فرق ہے، صدور کے لیے ضروری ہے کہ مصدر میں اولاً وہ شئ موجود ہو جس کا اس سے صدور ہو رہا ہے، یعنی مصدر میں صادر کا پایا جانا ضروری ہے اور خلق کے لیے

ضروری ہے کہ پیدا کرنے والے میں وہ شئے اصلاً معدوم ہو جس کو وہ پیدا کر رہا ہے۔

اس فرق کو اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، مان لیں کہ آفتاب کسی روشن دان کے مقابل اور سامنے ہے، جب اس کی روشنی اور دھوپ روشن دان سے گزرے گی تو زمین پر روشن دان کی ایک نورانی شکل بن جائے گی، اب یہاں دو چیزیں ہیں: ایک دھوپ اور آفتاب کا نور، دوسرے روشن دان کی نورانی شکل۔ ہم دھوپ کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ آفتاب سے صادر ہوئی ہے، مگر اس نورانی شکل کے بارے میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس کا صدور آفتاب سے ہوا ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ نورِ آفتاب کی طرح یہ شکل بھی اولاً آفتاب ہی کی صفت ہو، البتہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ شکل آفتاب کے ذریعہ اور اس کے سبب پیدا ہوئی ہے، اس سے صدور اور خلق کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

اب یاد رکھنا چاہیے کہ بھلائیاں اور تمام حسنات خدا کی ذات سے صادر ہوئی ہیں اور برائیوں کا اس نے خلق فرمایا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بری صورتیں، بری سیرتیں، بول و براز وغیرہ خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور مخلوقِ خدا ہیں (لیکن اس سے ذاتِ خدا میں کوئی برائی لازم نہیں آتی، کیوں کہ خلق ہے، صدور نہیں) اگر یہاں صدور کا اطلاق کیا جاتا تو ان اشیاء کی نسبت بھی خدا کی طرف نہیں کی جاسکتی تھی۔ حاصل کلام یہ کہ (خلق کے معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے) یہ بات کہنا بالکل درست ہے کہ شیطان اور اس کی جملہ صفاتِ خدا ہی کی مخلوق ہیں اور اس سے ذاتِ خداوندی میں خرابی لازم نہیں آتی۔'' (۱۰)

مضمون میں ذکر کردہ افادات اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو کلامی مسائل میں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی، انہوں نے حقائق شریعت کو منطقیت کی رداء اور معروضیت کی قبا پہنا کر بدیہیاتِ مسلمہ کے طور پر پیش کیا ہے، ان کا کلام روزمرہ کی مثالوں اور مشاہداتی دلیلوں پر مبنی، اغلاق و پیچیدگی سے خالی اور خطیبانہ پیچ وخم سے پاک ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی باتیں دل لگتی اور عقل کی کسوٹی پر کھری اُترتی ہیں۔ ان کا گلستانِ استدلال نو دمیدہ گل بوٹوں سے آراستہ ہے، جن کی زیبائش اور حسن ورعنائی میں ان کے ذہن کی تخلیقی صلاحیتیں جلوہ آراء ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

''مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو دینی علوم میں اجتہاد کا مقام حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمِ کلام اور معارفِ الٰہیہ میں دیدہ وری اور نکتہ سنجی کی غیر معمولی دولت سے نوازا تھا۔'' (۱۱)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجتہدانہ شان پر حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: ''**ختامۂ مسک**'' کے طور پر ہدیۂ قارئین ہے:

www.banuri.edu.pk

’’آریوں نے جن کو حکومت وقت کی شہ مل گئی تھی اسلامی عقائد والٰہیات پر نیا حملہ شروع کر دیا اور عالم کے حدوث وقدوم، ذات وصفات، کلامِ الٰہی، حیات بعد الموت اور تعیین قبلہ اور حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عقلی اعتراضات کرنے شروع کیے، ان کے جواب میں نہ تو قدیم کلامی دلائل پورے طور پر کارگر تھے، نہ قدیم مقدمات اور قدیم اسلوب مؤثر تھا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جواب کے لیے ایک نیا علم کلام تیار کر دیا، انہوں نے روزمرہ کی ہلکی پھلکی زبان میں چھوٹی چھوٹی مثالوں اور عام فہم دلیلوں میں بڑے بڑے علمی مسائل سمجھائے، اور بڑے بڑے مباحث کا فیصلہ کیا۔ ’’تقریر دلپذیر‘‘، ’’حجۃ الاسلام‘‘، ’’آبِ حیات‘‘ اور ’’قبلہ نما‘‘ ان کی ذہانت و سلامتِ فہم اور دقیقہ شناسی کا بہترین نمونہ ہیں۔‘‘(۱۲)

حوالہ جات

۱:.....تاریخ دارالعلوم، مصنفہ سید محبوب رضوی مرحوم، ج:۱،ص:۱۳۳-۱۳۴۔

۲:.....حجۃ الاسلام:ص:۶-۷۔

۳:.....البقرۃ:۲۹۔

۴:.....المؤمنون:۱۱۵۔

۵:.....الذاریات:۵۶۔

۶:.....گفتگوئے مذہبی:۱۸۔ حجۃ الاسلام:۴۴-۴۵۔

۷:.....شوریٰ:۵۱۔

۸:.....انتصار الاسلام،ص:۱۲-۱۵۔

۹:.....انتصار الاسلام،ص:۱۶-۱۸۔

۱۰:.....انتصار الاسلام،ص:۱۸-۱۹۔

۱۱:..... پاجا سراغِ زندگی، مصنفہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ،ص:۱۲۹۔

۱۲:..... پاجا سراغِ زندگی، مصنفہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ،ص:۱۱۰-۱۱۱۔